ڈاکٹر تسنیمہ پروین
Assistant Professor, Dondura College, Ranchi, Jharkhand

سحر البیان شمالی ہند کی شاہکار تصنیف

ملخص

سحر البیان اردو منظوم افسانہ نگاری کا معراج کمال ہے۔ اس میں ایک خوش حال رعایا پرور شہنشاہ کو اولاد نہ ہونے کا غم بعد میں اولاد ہونے کے پیشن گوئی کے بعد اولاد نرینہ کا پیدا ہونا کمسنی میں شہزادہ کی تمام علوم وفنون میں مہارت حاصل ہونا اور پری کی شہزادی کا بادشاہ کے محل کی طرف سے گذر اور اس پر فریفتہ ہو کر اُڑا لے جانا قصے کی شروعات ہے۔ آگے ہم دیکھتے ہیں کہ شہزادہ پرستان میں اداس رہتا ہے، پری اسے بہلانے کے واسطے ایک طلسمی گھوڑا دیتی ہے تا کہ شہزادہ سیر کر سکیں۔

شہزادہ بے نظیر جو شہزادہ کا نام ہے۔ ایک روز فلک سیر گھوڑے میں سوار ہو کر ایک باغ میں اترتا ہے۔ یہ باغ شہزادی (بدر منیر) کا ہے جو اپنی سہیلیوں کے ساتھ اس میں رہ رہی ہے۔ وزیر کی لڑکی نجم النساء بھی ان کے ساتھ ہے۔ بے نظیر اور بدر منیر ایک دوسرے کو دیکھ کر عاشق ہو جاتے ہیں۔ بے نظیر روز سیر کے بہانے بدر منیر سے ملتا ہے اور عشق و عاشقی کرتا ہے۔ پری کا ایک جاسوس دیو یہ سب دیکھ پری کو اس کی خبر کر دیتا ہے جس پر وہ آگ بگولہ ہو کر شہزادے کو ایک ویران کنویں میں مقید کر دیتی ہے۔

شہزادی بدر منیر بے نظیر کے یکا یک غائب ہو جانے پر نہایت افسردہ ہوتی ہیں۔ وزیر زادی نجم النساء اس کو سمجھاتی ہیں کہ وہ بے وفائی کر گیا پر شہزادی اپنے محبت پر قائم رہتی ہیں اور خواب میں دیکھتی ہیں کہ شہزادہ قید میں ہے۔ روتی ہوئی اٹھتی ہے اور وزیر زادی کو خواب کا حال سناتی ہے۔ نجم النساء دوستانہ ہمدردی کا ثبوت دیتے ہوئے جوگن بن کر نکلتی ہے۔

نجم النساء صحرا کی خاک چھانتی ہیں اور جنوں کے شہزادہ فیروز شاہ کی مدد سے بے نظیر کو چھڑاتی ہے۔ اس مثنوی میں شہزادہ بے نظیر اور شہزادی بدر منیر کا 'عشق' کا افسانہ ہے جس میں ضمناً نہایت دلچسپ جزئیات مثلاً قدیم زمانہ کا لباس، زیور شادی بیاہ کے رسومات کا سامان وغیرہ وغیرہ نہایت خوبی سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس زمانے کے تہذیب و ثقافت کی عمدہ تصویر یہ مثنوی ہیں جس کی زبان صاف سادہ اور عام فہم ہے۔

☆☆☆

اردو مثنویوں کی تاریخ میں میر حسن کی مثنوی سحر البیان ایک نمایاں اہمیت کی حامل ہیں۔ میر حسن نہ صرف قادر الکلام شاعر تھے بلکہ مثنوی نگاری کا انہیں ملکہ حاصل تھا۔ انہوں نے اپنے چھوٹی بڑی گیارہ مثنویاں لکھیں لیکن ان کے تمام مثنویوں میں سحر البیان کو بطور خاص اہمیت حاصل ہے۔

میر حسن کی اس مثنوی کو اسمِ با مسمیٰ قرار دیا گیا۔ کیوں کہ زبان اور انداز بیان کا شاعر نے جادو کھلایا ہے اس کے اسلوب میں بڑی لطافت اور ذوقی نفاست و پاکیزگی موجود ہے۔ فصاحت و بلاغت کا ایک چشمہ رواں نظر آتا ہے۔ مثنوی کے انداز بیان کی اس برجستہ و شگفتہ لطافت و حلاوت کا احساس خود میر حسن کو بھی تھا اور مثنوی کے آخر میں انہوں نے تو اس امر کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

ذرا منصفوں داد کی یہ جا — کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا
نر بس عمر اس جوانی میں صرف — تب ایسے نکلے ہیں موتی سے حرف
جوانی میں جب ہو گیا ہوں میں پیر — تب ایسے ہوتے ہیں سخن بے نظیر

سحر البیان اردو منظوم افسانہ نگاری کا معراج کمال ہے۔ میر حسن نے اس کی کہانی یوں بیان کی ہیں کہ ایک خوش حال اور رعایا پرور شہنشاہ کو اولاد نہ ہونے کا غم بے چین رکھتا ہے۔ بغیر اولاد کے شان و شوکت کے سامان ان کی نظروں میں خار کی طرح کھٹکتے ہیں۔ ایک روز با تدبیر وزیروں کو اپنے پاس بلا کر اپنے غم بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اب اس پر آسائشی زندگی سے میرا دل اکتا گیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ فقیری اختیار کروں۔ اس پر وزیر سمجھاتا ہے کہ

وزیروں کی عرضی اے آفتاب — نہ ہو ذرہ تجھ کو کبھی اضطراب
فقیر جو کیجئے تو دنیا سے ساتھ — نہیں خوب جانا ادھر خالی ہاتھ

جو عاقل ہیں وہ سوچ میں ٹک رہیں
کہ ایسا نہ ہوئے کہ پھر سب کہیں

تو کار زمین برا نیکو ساختی
کہ برآسمان نیز پرواختیں

یہ دنیا جو ہے مزرعہ آخرت
فقیری میں ضائع کرو سکونت

مگر وہاں! یہ اولا کا ہے جو غم
سو اس کا تردو بھی کرتے ہیں ہم

سحر البیان :ص۔۱۶۔۱۷مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ، بار پنجم ۱۹۱۹ء

وزیر نے بادشاہ کو اس خیال سے باز رکھنے کی ایک نفسیاتی تدبیریں کہ اس کو باور کرایا کہ ،حکمرانی خود ایک عبادت ہے جس کا تعلق اس جہاں سے ہے جو شخص جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے اور یہ رائے دی کہ نجومیوں سے اس امر کے متعلق مشورہ کیا جائے کہ اس کی قیمت میں اولاد ہے یا نہیں۔ نجومیوں نے اولاد کی خوش خبری دی۔شہزادہ بے نظیر پیدا ہوتا ہے۔ بڑا ذہین ہے کمسن ہی میں ان تمام فنون اور کمالات میں مہارت حاصل کر لیتا ہے جو ایک شہزادہ کے لیے ضروری چیز ہوتی ہے۔

ایک روز شہزادہ خلاف عادت کوٹھے پر سورہا تھا۔ ماہ رخ پری کا اس پر سے گزر ہوتا ہے اور وہ ہزار جان سے اس پر عاشق ہو کر، اس کو پرستان اڑا لے جاتی ہے۔ پرستان میں وہ بہت اداس رہتا ہے۔ ماہ رخ اس کو بہلانے کے لیے ایک طلسمی کل کا گھوڑا ''فلک سیر'' نامی اس کو دیا کہ وہ اس پر سوار ہو کر آس پاس کی سیر کرے اور خوش رہیں۔

شہزادہ بے نظیر ایک روز فلک سیر پر سوار ایک باغ میں اترتا ہے یہ باغ ایک شہزادی (بدر منیر) کا ہے جو اپنے سہیلیوں کے ساتھ اس میں رہ رہی ہے۔ وزیر کی شریر لڑکی نجم النسا بھی اس کے ساتھ ہے۔ بے نظیر اور بدر منیر دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر عاشق ہو جاتے ہیں۔ بے نظیر سیر کے بہانے روز بدر منیر سے ملتا ہے اور عشق و عاشقی کرتا ہے۔ ماہ رخ کا ایک جاسوس دیو اس سے بے نظیر کے چپکے چپکے عشق کی خبر جالگاتا ہے جس پر وہ آگ بگولہ ہو کر شہزادے کو ایک ویران کنویں میں مقید کر دیتی ہے۔

شہزادی بدر منیر، بے نظیر کے یکا یک غائب ہو جانے پر نہایت افسردہ ہے۔نجم النساء اس کو سمجھاتی ہے کہ مرد ذات بے وفا ہوتی ہے کسی دوسرے سے جی لگ گیا ہوگا۔شہزادی اپنے خیالات پر بدستور قائم رہی ہے۔ایک رات خواب میں دیکھتی ہے کہ شہزادہ پری کے قید میں ہے روتی ہوئی اٹھتی ہے اور نجم النساء کو خواب کا حال سناتی ہے۔نجم النساء دوستانہ ہمدردی کا ثبوت دینے

کے واسطے بےنظیر کو ڈھونڈھنے جوگن بن کر نکلتی ہے۔

سحرالبیان میں سب سے زیادہ فعال اور متحرک کردار نجم النساء کا ہے وہ زندگی اور حرکت کی علامت ہے اس زوال آمادہ معاشرے کی جامد فضا میں اس کے کردار سے حرکت پیدا ہوتی ہے ۔ وہ بہت حسین اور انتہا درجہ شوخ اور شرارتی ہے وہ بدرمنیر کی سہیلی اور وزیر کی لڑکی ہے پھر وہ جس طرح جوگن بن کر نکلتی ہے وہ اپنے اندر گہری معنویت رکھتا ہے اور اس کے ایثار و قربانی اس بات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فیروز شاہ سے محبت ہو جانے پر وہ انہیں محبت کو کامیاب بنانے کے بجائے بدرمنیر کی محبت کو کامیاب بنانے کے لیے پہلے بےنظیر کو فیروز شاہ کی مدد سے تلاش کرتی ہے۔

اس مثنوی میں شہزادہ بےنظیر اور شہزادی بدرمنیر کے عشق کا افسانہ ہے جس میں ضمناً نہایت دلچسپ جزئیات مثلاً قدیم زمانہ کا لباس، زیور شادی، بیاہ کے رسوم، برات کا سامان وغیرہ وغیرہ نہایت خوبی سے بیان کیے ہیں۔ عبارت اس قدر صاف اور محاورہ ہے کہ اکثر اشعار محاورہ کی صورت میں زبانوں میں چڑھ گئے ہیں اس کا ہر مصرعہ لاجواب اور ہر شعر انتخاب ہے۔ صفائی بیان، لطف محاورہ، شوخی مضمون قابل دید ہے۔ سوال و جواب کی نوک جھونک پر لطف مذاق کی باتیں ایسی ہیں جن کو پڑھ کے دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور ان سب پر طرہ یہ کہ کتاب کو لکھے دوسو برس سے زیادہ ہو گئے۔ زبان وہی ہے جو ہم آپ بولتے ہیں۔ مولانا آزاد حیرت سے پوچھتے ہیں:

''اس کی فصاحت کے کانوں میں قدرت نے کیسی سناوٹ رکھی! کیا اسے سو برس آگے والوں کی باتیں سنائی دیتی تھیں؟ کہ جو کچھ اس وقت کہا صاف وہی محاورہ اور وہی گفتگو ہے جو ہم تم بول رہے ہیں۔''

میر حسن کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ حفظ مراتب کا بہت خیال رکھا ہے۔ کہیں پر سطحیت یا پشت ذوقی کا مظاہرہ نہیں ہونے دیا۔ لفظ کا یہ بیان کا یہ احتیاط و اہتمام ایک خاص کیفیت و اثر پیدا کرتا ہے۔ محفل موسیقی کا تذکرہ تو موسیقی کے تمام آلات کی تفصیل موجود ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میر حسن کو موسیقیت سے کافی لگاؤ تھا۔ انداز بیان میں محاکات آفرینی کا عنصر جا بجا موجود ہے جس سے طرز بیان کی بے ساختگی اور دلکش بڑھ گئی ہے۔ کردار نگاری، واقعہ نگاری، جذبات نگاری کے مرحلوں کو میر حسن سے بہت خوش اسلوبی سے طے کیا ہے۔ اس لیے یہ منظوم عشقیہ داستان تاثر اور تکنیک دونوں جہتوں سے خوب صورت اور اثر خیز ہو گئی ہے۔ ہجر کے مرحلوں

کو اس طرح بیان کیا کہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ان کا اپنا قلبی سوز و گداز نکھر کر سامنے آ گیا ہو۔ منظر نگاری کے مرحلے میں بھی میر حسن کو شاندار کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ وہ جس منظر کو بیان کرنا چاہتے ہیں اس کی سچی منھ بولتی اور ہو بہو تصویر کشی کر دینے میں اپنی قدرت سخن کا حیرت ناک مظاہرہ کرتے ہیں۔ عبدالقادر سروری اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''سحر البیان میں سوائے میر حسن کے فطری بیانات ہے اگر کوئی چیز دلچسپ ہو سکتی ہے تو وہ نجم النساء اور بدر منیر کے مکالمے ہیں۔ جن کی وجہ سے تمام قصے کا پایہ بلند ہو گیا ہے اگر قصے میں نے صرف نجم النساء ہی کے مکالمے نکال لیے جائیں تو یہ امر شبہ سے خالی نہیں رہ سکتا کہ سحر البیان کو پھر بھی وہی وقعت حاصل رہے گی۔ دراصل گرچہ توجہ سے انجام پائے تو مکالمہ ناول کا بہترین عنصر ہوگا۔''

(دنیائے افسانہ۔ص۔۹۰۔۱۹۲۶ء)

میر حسن کو فطری مناظر کے بیان میں اس قدر قدرت حاصل ہے کہ ہر منظر اس طرح ابھارتے ہیں کہ اس کا نقشہ ہمارے آنکھوں کے سامنے کھینچ جاتا ہے۔ خصوصاً وہ سمان میر حسن کا کینوس کا خوبصورت منظر ہے جو نجم النساء اور فیروز کی پہلی ملاقات کے وقت کھینچا گیا ہے۔ عبد القادر سرور صاحب اس کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''۔۔۔۔میر حسن نے جو ماحول'' جوگن کا پیدا کیا ہے اور جو بذات خود دلچسپ ہے وہ جوگن کی دلچسپ گفتگو کی وجہ سے روشن معلوم ہونے لگتا ہے۔ میر حسن نے چند الفاظ میں خیالات کی ایک کائنات پیدا کر دی ہے۔ خیال کیجئے کہ ایک سہانا دشت ہے جس میں چودھویں رات کی ہلکی ہلکی چاندنی درختوں کے پتوں سے پہن پہن کر عجیب گنگا جمنی سماں پیدا کر رہی ہے۔ شفاف ریت پر ایک مرگ چھالا بچھا ہوا ہے جس پر اس منظر کو روشن کرنے والی ایک زہرہ جبین دوزانوں بیٹھی ہوئی ہے۔ بین و مست نازک میں ہے اور اپنے میٹھے بولوں سے ہوا میں ایک خوش گوار نموج پیدا کر رہی ہے۔''

(دنیائے افسانہ۔1926)

ایسی حالت میں فیروز شاہ جنوں کے بادشاہ کا بیٹا وارد ہوتا ہے جو گن کی تیز نظر اس کی مہوت آنکھوں کے راستے سے اس کے دل تک جا پہنچتی ہے ملاحظہ ہو۔

وہ سمجھی کہ دل اس کا آیا ادھر کہ دل بھی تو رکھتا ہے دل کی خبر

میر حسن نے اپنی مثنوی میں جس زوال پذیر تہذیب کے خدوخال ابھارنے کی کوشش کی ہے ہمیں اس کی جیتی جاگتی تصویر اس مثنوی کے کرداروں کی شکل میں نظر آتی ہے۔ یہ کردار حقیقتاً لکھنؤ کی زوال آمادہ تہذیب کے عکاس ہیں۔ میر حسن سے ان کرداروں کے ذریعہ اس جاگیردارانہ معاشرے کی جیتی جاگتی تصویر پیش کردی ہے جس میں وہ سانس لے رہے تھے۔ سحر البیان کے خصوصی کرداروں میں بے نظیر، بدر منیر، نجم النساء، مارخ اور فیروز شاہ ہیں۔ کہانی بے نظیر، بدر منیر اور نجم النساء کے ذریعہ آگے بڑھتی ہے اور پایۂ تکمیل تک پہنچتی ہے۔

فیروز شاہ بے نظیر کو کنویں سے نکال کر لاتا ہے اور جوگن کو اسکے پاس پہنچاتا ہے۔ یہاں پر نجم النساء کا طرز عمل اس کے کردار کی ایک خوبی کی وضاحت کرتا ہے جس کی طرف میر حسن نے ''ستارہ سی'' اور ''قیامت شریر'' کے الفاظ کے ذریعہ ایک اجمالی اشارہ تعارف کی تقریب میں کردیا تھا۔ یہ نجم النساء کی ظرافت نہیں بلکہ اس کی ستم ظریفانہ سرشت کا مظہر ہے۔ اس خاص موقع پر جو اعلیٰ قسم کی ظرافت کا نمونہ اردو زبان کا ایک شہ پارہ ہے۔ میر حسن کا قلم ایک لفظ بھی نجم النساء کے طرز عمل کی توضیح کے متعلق نہیں لکھتا بلکہ خود اس کے قول و فعل سے یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ درحقیقت کردار نگاری کا یہ بڑا کمال ہے۔

۔۔۔۔۔۔لے آیا وہ جوگن جو دان ساتھ ساتھ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دکھایا اسے اور کہا، کر تو غور کر، جسے ڈھونڈتی ہے وہی کہ، ہاں ای ہاں یہ وہی ہے وہی۔ یہ کہ اور اس کے تخت سے پا آ۔۔۔۔

اپنی مہم سے کامیاب واپس ہونے کے بعد نجم النساء، بدر منیر کو شہزادہ کے آنے کی خوش خبری سناتی ہے۔ بدر منیر کو یقین نہیں آتا وہ کہتی ہیں کہ:

تعجب سے پوچھا، کہ سچ مچ ہے یہ؟ دیا چھیڑنے کو مرے کچھ ہے یہ؟

نجم النساء نے جواب میں گفتار کے جو پھول بکھیرے ہیں وہ اردو روزمرہ اور طرز تکلم

کے بہترین نمونے اور ادبیات کا خوشنما زیور ہیں۔

کہا مجھ کو سوگند ہے اس جان کی غلط کہنے والی میں قربان کی

پھر فطرت کی ایک حقیقت کا اظہار کرتی ہے کہ:

نشاط و خوشی کی خبر یک بیک منہ میں کہہ بیٹھے بے دھڑک

سحر البیان کے اسلوب میں بلا کی سادگی، روانی اور موسیقیت ہے۔ میر حسن نے روزمرہ کی ادائیگی میں بھی اپنی فن کارانہ مہارت کا ثبوت دیا ہے جس سے ان کے اشعار میں جاذبیت، روانی اور فطری پن پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ضرب المثل بن گئے ہیں۔ کلیم الدین احمد جیسا سخت نقاد بھی میر حسن کے اسلوب طرز بیان کو خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہیں وہ کہتے ہیں کہ:

''اہم ترین چیز سحر البیان میں طرز ادا ہے۔ عبارت پاکیزہ اور بامحاورہ ہے، بیان شوخ اور دل پذیر ہے۔ نثر میں شیرینی اور ترنم کی کمی نہیں۔ عموماً الفاظ نرم اور نہایت ملائم استعمال ہوئے ہیں۔۔۔۔۔ میر حسن نے فصیح روزمرہ کا نچوڑ اس مثنوی میں رکھ دیا ہے۔ گفتگو اور مکالمے کے لطیف ترین پھول یہاں کھلتے ہیں، جملہ خوبیوں کے ساتھ کہیں ضرورت سے زائد تصنع کا پتہ نہیں روانی دلکش ہے۔''

اردو شاعری پر ایک نظر۔ ص۔ ۲۴۶۔۲۴۷، بک امپوریم سبزی باغ پٹنہ، اشاعت اول۔ 1985ء

اس طرح میر حسن کی یہ مثنوی فکر و فن کی تمام خوبیوں سے مالا مال ہے۔ ہمیں میر حسن کی فنی بصیرت اور ان کا جمالیاتی شعور اپنی انتہا پر پہنچا نظر آتا ہے یہ مثنوی اپنی معنویت، فضا آفرینی کردار نگاری اور گہرے سماجی شعور کی وجہ سے انہیں مثال آپ سے یہ کہانی نہیں تہذیبی دستاویز ہے بقول خلیل الرحمٰن اعظمی۔

''یہ شعر محض نہیں صحیفۂ حیات ہے۔''

(مضامین نو۔ ص۔ ۳۸)

سحر البیان جس طرح اردو منظومات میں بہترین مثال ہے اسی طرح اردو منظور افسانوں میں بھی یہ اہم پیداوار ہے۔ اردو زبان کا یہ ایک شہ پارہ ہے۔

☆☆☆